عالمِ اسلام امامِ اعظم محدثِ شہیر محقق مجددِ دین و ملّت امام اہلسنّت

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(امام احمد رضا خان بریلوی)

سرتاج الفقہا



پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم۔ اے؛ پی۔ ایچ۔ ڈی

ادارۂ مسعودیہ

۲/۶۔۵۰۔ ای۔ ناظم آباد۔ کراچی، (سندھ)

اسلامی جمہوریہ پاکستان، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء

نام کتاب	سرتاج الفقہاء
مصنف	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری
صفحات	۲۴
کتابت	محمد طارق رانا
سائز	۳۶×۲۳ / ۱۶
تعداد	۳۰۰۰
اشاعت	۱۴۱۱ھ / ۱۹۹۶ء
ناشر	اِدارۂ مسعودیہ

ملنے کے پتے

ادارہ مسعودیہ :۔ ۲/۶ ـــ ۵ ای ناظم آباد ـ کراچی

مظہری پبلیکیشنز :۔ A / ۲۶۰۶ پی ـ آئی ـ بی کالونی کراچی فون ۴۹۴۰۵۳۱

المختار پبلیکیشنز :۔ ۲۵ جاپان مینشن رضا چوک (ریگل) صدر کراچی

مکتبہ رضویہ ـــــــــــــــــ آرام باغ روڈ، کراچی

مکتبہ غوثیہ :۔ سبزی منڈی کراچی فون نمبر ۴۹۴۳۳۶۸

ادارہ مسعودیہ ـــــــــــــ بسمینٹ ۱۱ انشتر روڈ لاہور

مکتبہ قادریہ :۔ جامع نظامیہ رضویہ اندرونِ لوہاری گیٹ ـ لاہور

باسمہٖ تعالیٰ

ابتدائیہ

امام احمد رضا بریلوی (۱۸۵۶ء ــــــ ۱۹۲۱ء) اپنے عہد کے عظیم محدّث و فقیہ تھے۔ آپ نے اُنیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں مسلک جمہور کا احیاء کیا اور سوادِ اعظم اہلِ سنّت و جماعت کی لاج رکھ لی۔ حرمین شریفین، پاک و ہند اور بلادِ اسلامیہ کے بکثرت علماء و فضلا، نے آپ کی ہمہ گیر علمیّت و بصیرت اور بے مثال دینی و علمی خدمات کا اعتراف کیا ہے ـــ پاک و ہند کے دورِ آخر کے مُفتیوں میں مُفتیٔ اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (خطیب و امام مسجد جامع فتحپوری، دہلی) اور مُفتی محمد کفایت اللہ دہلوی (صدر مدرس مدرسہ امینیہ، دہلی) بھی امام احمد رضا کے تبحّر اور وسعتِ علمی کے مُعترف تھے۔ مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی نے فرمایا:۔

"اِس میں کلام نہیں کہ مولانا احمد رضا خاں کا علم بہت وسیع تھا۔"

(ہفت روزہ "ہجوم" نئی دہلی، امام احمد رضا نمبر، ۲ دسمبر ۱۹۸۸ء، ص ۶ ک ۴)

مغربی ممالک میں ہالینڈ کی قدیم اور مشہور جامعہ، لائڈن یونیورسٹی کے شعبۂ علوم اِسلامیہ کے سن رسیدہ اور جہاں دیدہ پروفیسر، ڈاکٹر جے۔ ایم۔ ایس۔ بلیان کو

کو جب امام احمد رضا کے بارے میں لکھا گیا تو وہ حیران رہ گئے کیوں کہ علومِ اسلامیہ کے استاد ہونے کے باوجود وہ امام احمد رضا کے نام تک سے بے خبر تھے لیکن جب انہوں نے فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کیا تو امام احمد رضا کی تبحرِ علمی کا برملا اعتراف کیا اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں پیش کئے جانے والے اپنے مقالات میں امام احمد رضا کا ذکر کیا۔ چنانچہ ہائیڈل برگ یونیورسٹی (مغربی جرمنی) اور بڈاپسٹ (ہنگری) کی بین الاقوامی کانفرنسوں میں موصوف نے جو مقالات پیش کئے ان میں فتاویٰ رضویہ کے متعدد حوالے موجود ہیں۔

فتاویٰ رضویہ پر پروفیسر مجیب اللہ قادری (کراچی یونیورسٹی، کراچی) نے بہت مفید کام کیا ہے۔ انہوں نے ایک مستقل مقالے میں فتاویٰ رضویہ کا موضوعاتی جائزہ پیش کیا ہے۔ یہ مقالہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی نے ۱۹۸۸ء میں شائع کر دیا ہے۔ ایک اور اہم کام جامعہ نظامیہ، لاہور کے مہتمم مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی مدظلہٗ العالی کر رہے ہیں۔ وہ فتاویٰ رضویہ کے ترجمہ و تخریج کا کام کروا رہے ہیں — حقیقت یہ ہے کہ فتاویٰ رضویہ فقہ اسلامی کا ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا ہے، اس پر تحقیق کے لئے محققین اور ماہرینِ علوم و فنون کی ضرورت ہے جو ایک اکیڈمی میں بیٹھ کر اس اہم کام کو انجام دیں۔ فتاویٰ رضویہ کی عبارات کے ترجمے اور حوالوں کی تفصیلات کے علاوہ جن کتب و رسائل اور اماکن و رجال کا فتاویٰ رضویہ میں ذکر کیا گیا ہے ان کے متعلق علمی، سوانحی، تاریخی، جغرافیائی تفصیلات بھی فراہم کی جائیں اور فتاویٰ کے ماحول، تاریخی و سیاسی اور معاشی و معاشرتی پس منظر کا بھی جائزہ لیا جائے۔

جن علوم و فنون میں امام احمد رضا کو مہارت حاصل تھی اُن میں علمِ فقہ خاص امتیاز رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متعدد عُلماء و فضلاء اور دانشوروں نے امام احمد رضا کی فقاہت کو موضوعِ سخن بنایا ہے اور علمی مقالات و مضامین لکھے ہیں۔ مثلاً یہ حضرات :-

علامہ محمد فیض احمد اویسی رضوی، مفتی وقار الدین قادری، علامہ شمس بریلوی، جسٹس ڈاکٹر مفتی سید شجاعت علی قادری، مولانا عبد الحکیم خاں اختر شاہجہان پوری، مولانا غلام رسول سعیدی، مولانا عبد الحکیم شرف قادری، مولانا محمد یٰسین اختر مصباحی، مولانا محمد علی محمد رضا قادری، مولانا عبد القدوس مصباحی، مولانا عطاء المصطفےٰ قادری، مولانا محمد شجاع الدین رتوی، سید انور علی ایڈوکیٹ، پروفیسر فیاض احمد خاں کاوش، پروفیسر محمد فاروق القادری، پروفیسر حافظ محمد شکیل اوج، میاں عبد الرشید وغیرہ وغیرہ۔

اور ڈاکٹر حسن رضا خاں نے تو امام احمد رضا کی فقاہت پر پٹنہ یونیورسٹی (بھارت) سے ڈاکٹریٹ کیا ہے لیکن اس کے باوجود امام احمد رضا کی فقاہت کے متعدد گوشے ہنوز تشنۂ تحقیق ہیں — پیشِ نظر مقالہ بھی امام احمد رضا کی فقاہت سے متعلق ہے۔

یہ مقالہ آج سے پانچ برس قبل ۱۹۸۳ء میں لکھا گیا تھا۔ اس میں مندرجہ تمام حقائق کا تعلق پانچ سال قبل کی معلومات سے ہے۔ یہ مقالہ پہلے ادارۂ تصنیفات امام احمد رضا، کراچی نے ۱۹۸۴ء میں ڈاکٹر حسن رضا خاں کے مقالے فقیہِ اسلام کے ساتھ بطورِ افتتاحیہ شائع کیا پھر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی نے اسی سال اپنے سالنامہ معارفِ رضا میں شائع کیا۔ اس کے بعد مرکزی مجلس امام اعظم، لاہور نے کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ خیال تھا کہ نظرِ ثانی کر کے اس میں ضروری اضافے کر دیئے جائیں کیوں کہ امام احمد رضا سے متعلق معلومات میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے، دُنیا کے چار بڑا عظموں میں امام احمد رضا پر کام ہو رہا ہے اور نئے نئے حقائق سامنے آ رہے ہیں۔ لیکن عدیم الفرصتی کی وجہ سے ماسوائے ایک دو اضافوں کے کوئی خاص اضافہ نہ کیا جا سکا اور یہ کام آئندہ کے لئے اٹھا رکھا گیا — بہر حال اب برادرم جناب

عبدالستار طاہر زید مجدہٗ (سیکرٹری مرکزی مجلس امام اعظم، لاہور) اس مقالہ کو پہلی بار کتابی صورت میں شائع کر رہے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ موصوف کو اور سرپرست مجلس علامہ محمد عبدالحکیم اختر شاہجہان پوری مظہری زید عنایتہٗ نیز تمام اراکین و معاونین کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

احقر

محمد مسعود احمد

پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ (سندھ)

۶ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
۱۳ فروری ۱۹۸۹ء

سرتاجُ الفقہاء

①

امام احمد رضا خان بریلوی (م ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) عہدِ جدید کے عظیم عبقری تھے، جس پر اُن کی علمی تخلیقات و تحقیقات شاہد اور زمانہ خود گواہ ہے۔ زمانے نے اُن کو جانچا، پرکھا اور پھر آفتاب، ماہتاب بنادیا۔ اُن کی روشنی دور دور پھیلی۔ اُن کی آواز دُور دُور پہنچی۔ علمائے عرب نے اُن کے فضل و کمال کی کھلے دل سے داد دی اور خوب خوب سراہا۔ چنانچہ شیخ عبدالرحمٰن دھان مکی فرماتے ہیں:-

الذی شھد لہ علماء البلد الحرام بانہ السید الفرد الامام [1]

ترجمہ:- وہ جس کے متعلق مکہ معظمہ کے علماء کرام گواہی دے رہے ہیں کہ وہ سرداروں میں یکتا و یگانہ ہے۔

اور شیخ عبداللہ نابلسی مدنی فرماتے ہیں:-

وھو لنادرۃ ھذا الزمان و غرۃ ھذا الدھر والأوان ....
سید الشیوخ والفضلاء الکرام یتیمۃ الدھر بلا توان [2]

ترجمہ:- وہ نادر روزگار، اس وقت اور اس زمانے کا نور، معزز مشائخ اور فضلاء کا سردار، بلا تامل وہ زمانے کا گوہر یکتا۔

---

[1] احمد رضا خاں: حسام الحرمین، مطبوعہ لاہور، ص ۸۲
[2] احمد رضا خاں، الدولۃ المکیۃ، مطبوعہ کراچی، ص ۹۴-۹۶

شیخ محمد عارف بن محی الدین ابن احمد فرماتے ہیں:۔

فکلامه .... یدل علی کمال علمه[1]

ترجمہ:۔ ان کا کلام ان کے کمالِ علم پر دلالت کرتا ہے۔

اور دمشق ہی کے علامہ شیخ محمد القاسمی تحریر فرماتے ہیں:۔

جامع للکمالات والفضائل من الخط دون شرفه کل منطاول
فانه بن الفضل والوہ والمذعن لفضله اعداؤہ ومحبوہ، مقدارہ
فی العلم جلیل ومثله فی الانام قلیل[2]

ترجمہ: فضائل وکمالات کے ایسے جامع ہیں جن کے سامنے بڑے سے بڑا ہیچ ہے، وہ فضل کے باپ اور بیٹے ہیں۔ اُن کی فضیلت کا یقین دشمن و دوست دونوں کو ہے، اُن کا علمی مقام بہت بلند ہے، اُن کی مثال لوگوں میں بہت کم ہے۔

پاک و ہند کے فُضلاء و محققین میں اُن کی دھوم ہے۔ چنانچہ پاکستان کے مشہور محقق و دانشور پروفیسر ڈاکٹر مصطفٰے خاں صاحب (سابق صدر شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی، حیدر آباد، سندھ) فرماتے ہیں:۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ اپنے دور کے بے مثل علماء میں شمار ہوتے ہیں، اُن کے فضل وکمال، ذہانت و فطانت، طباعی و درّاکی کے سامنے بڑے بڑے علماء فضلاء، یونیورسٹیوں کے اساتذہ، محققین اور مستشرقین نظروں میں نہیں جچتے۔[3]

۱۹۲۱ء میں جب امام احمد رضا کا وصال ہوا تو لاہور کے پیسہ اخبار نے اپنے اداریہ میں ایک تعزیتی نوٹ لکھا جس کو پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ پاک و ہند میں امام احمد رضا کا بڑا چرچا تھا اور اُن کے فضل وکمال کے سب قائل تھے، اداریہ نگار لکھتا ہے:۔

[1] محمد مسعود احمد: امام احمد رضا اور عالمِ اسلام، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۳ء، ص ۱۳۷
[2] ایضاً، ص ۱۳۹
[3] محمد مرید احمد، جہانِ رضا، مطبوعہ لاہور، ص ۱۸۸

آپ ہندوستان میں علومِ اسلامیہ دینیہ کے آفتاب تھے، بڑے فاضل اور متبحر و جیّد بعید عالم .... آپ کی وفات سے ہندوستان کی ایک ایسی برگزیدہ ہستی اُٹھ گئی جس کی خالی جگہ پُر کرنا ناممکن نظر آتا ہے۔[1]

امام احمد رضا کے فضل وکمال کے ساتھ ساتھ ان کی وسعت علم کے بھی فضلاء و دانشور قائل نظر آتے ہیں۔ چنانچہ پروفیسر جی۔ ڈی قریشی (نیو کاسل یونیورسٹی۔ انگلستان) لکھتے ہیں:۔

انہوں نے اپنے وسیع اور عمیق علم کے طفیل اپنی ذات میں ایک اسلامی یونیورسٹی کی بلندیاں جمع کرلی ہیں۔[2] (ترجمہ انگریزی)

اور پروفیسر ایس۔ ٹی۔ علی نقوی (صدر شعبۂ کیمیا۔ گورنمنٹ ڈگری کالج، ٹھٹھہ) لکھتے ہیں:۔

وہ اپنے عہد کے عظیم فقیہہ اور مصنف تھے، ان کا علم وسیع اور بوقلموں تھا۔ وہ ۵۰ علوم وفنون پر مہارت تامّہ رکھتے تھے۔[3] (انگریزی ترجمہ)

عہدِ جدید کے مشہور و معروف مصنف مولانا ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب کے علم و فضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے۔ فی الواقع وہ علومِ دینی پر بڑی وسیع نظر رکھتے تھے اور اُن کی اس فضیلت کا اعتراف اُن لوگوں کو بھی ہے جو اُن سے اختلاف رکھتے ہیں۔[4]

پاکستان کے ایک سن رسیدہ، صحافی و قلمکار میاں عبدالرشید اپنی انگریزی کتاب "پاک و ہند میں اسلام" (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء) میں لکھتے ہیں:۔

حضرت احمد رضا خان بریلوی برصغیر کی چند غیر معمولی شخصیات میں سے ایک تھے۔ وہ ہمہ گیر عبقری، نہایت ذہین اور متقی اور فقہ اسلامی کے ماہر .... اُن کا علم ہمہ گیر تھا۔[5] (ترجمہ انگریزی)

[1] پیسہ اخبار (لاہور) شمارہ ۲ نومبر ۱۹۲۱ء، اداریہ
[2] پیغام برائے مجلس رضا، مانچسٹر، انگلستان محررہ ۹ اکتوبر ۱۹۸۱ء
[3] الہاشم (ٹھٹھہ سندھ) شمارہ ۱۹۸۳ء، ص ۱۵
[4] عبدالنبی کوکب: مقالاتِ یوم رضا، ج ۲ ص ۶۰، مکتوب محررہ ۲۵ مئی ۱۹۶۸ء
[5] شیخ محمد یٰسین احمد الخیاری مدنی بحوالہ رسائل رضویہ ج ۲، ص ۱۴۸، مطبوعہ لاہور

بلاشبہ امام احمد رضا اپنے عہد کے ایک عظیم فقیہہ تھے۔ طبقاتِ فقہاء میں امام احمد رضا کو جو مقام حاصل ہے وہ اُن کے معاصرین میں کسی کو حاصل نہیں تھا۔ فقیہہ کا ایک امتیازِ خاص یہ ہے کہ اُس کو آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ پر کامل عبور ہو۔ امام احمد رضا کی قوتِ حافظہ قرنِ اوّل کی یاد دلاتی ہے، وہ خود حافظِ قرآن تھے اور معانی و مفاہیم سے آشنا .... اُن کے سامنے نہ صرف قرآن کے الفاظ تھے بلکہ اُس کے معانی اور روحِ معانی بھی .... اُن کا فکر و خیال آیات و احادیث سے آباد تھا۔ حدیث میں اُن کے مقام کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خود علمائے عرب اُن کی شان میں یہ اظہار فرما رہے ہیں:-

کیف لا وھو امام المحدثین

ترجمہ:- کیوں نہیں، وہ تو محدثین کے امام ہیں۔

اور ڈاکٹر سید محمد عبدالرشید (چیئرمین شعبۂ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور) نے امام احمد رضا کو "عبقری فقیہہ"، "صاحبِ نظر مفسرِ قرآن" اور "عظیم محدّث" قرار دیا ہے۔[1]

سجادہ نشین مارہرہ شریف (بھارت) حضرت حسن میاں مدظلہ العالی ۲۸ جولائی ۱۹۸۴ء کو راقم کے غریب خانے پر تشریف لائے اور دیر تک علمی گفتگو فرماتے رہے، اثنائے گفتگو میں فرمایا:-

"حضرت شاہ اولادِ رسول مارہروی، اعلیٰ حضرت کے لئے فرماتے تھے کہ وہ "فقیہہ النفس" تھے، اُن کے الفاظ اپنی جگہ ایسے تھے جیسے میخ۔"

حضرت شاہ اولادِ رسول، امام احمد رضا کے معاصر تھے، صاحبِ علم و فضل اور ۳۰ کتابوں کے مصنف، ۱۳۷۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

۱؎ محمد مقبول احمد قادری: پیغاماتِ یومِ رضا، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء، ص ۳۵

مولانا ابوالحسن علی ندوی، امام احمد رضا کے ہم خیال نہ ہوتے ہوئے بھی یہ اظہارِ خیال فرماتے ہیں:-

"جزئیاتِ فقہ پر جو اُن کو عبور حاصل تھا، اُن کے زمانے میں اُس کی نظیر نہیں ملتی۔"[1]

اور جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب (جج سپریم کورٹ آف پاکستان شریعت بنچ) فرماتے ہیں:-

"علومِ دینیہ، فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ میں آپ کو جو عدیم النظیر مہارت حاصل تھی اس میں تو کسی کو کلام نہیں۔"[2]

(۲)

اس میں شک نہیں کہ بحیثیت فقیہہ امام احمد رضا جامع فضائل و کمالات تھے — وہ حق پسند بھی تھے، عدل گستر بھی اور حق گو بھی — وہ امین بھی تھے، مخلص بھی، زاہد و عابد بھی اور متقی بھی — وہ معقولیت پسند بھی تھے اور بلند خیال بھی — وہ بے ریا اور بے نفس تھے — ایسے صداقت شعار کہ قول و فعل میں اصلاً تضاد نہیں — وہ باعزت تھے، باوقار تھے، ضدی اور ہٹ دھرم نہ تھے — جو کہتے اُس پر عمل کر کے دکھاتے — بیباک و گستاخ اور خود سر و مغرور نہ تھے — زمانے کے نبض شناس تھے اور علوم و فنون کے ماہر — دوست کی دوستی اور دشمن کی دشمنی سے بے نیاز — وہ ہشیار تھے بے خبر نہ تھے — اُن کی نظر ہمہ گیر تھی، اور اُن کا قلم جاں نواز — وہ صاحبِ بصیرت تھے، اُن کی نظر پس منظر اور پیش منظر پر بھی رہتی تھی — بندگانِ خدا کو مشکل میں نہیں ڈالتے تھے، اُن کے خدا و رسول نے جو سہولتیں اُن کو دیں اُن کا خیال رکھتے تھے — وہ

۱؎ ابوالحسن علی ندوی: نزہۃ الخواطر، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ج ۸، ص ۴۱

۲؎ عبدالنبی کوکب: مقالاتِ یومِ رضا، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء، ج ۲، ص ۲۹

زمانے کی حرکی قوت سے آگاہ تھے ـــــ تہذیبوں اور تمدنوں کے اُتار چڑھاؤ اور رسم و رواج کے نشیب و فراز سے واقف تھے ـــــ اُن کا دماغ روشن ـــــ اُن کا دل منوّر تھا ـــــ کُتب حدیث و فقہ پر گہری نظر تھی ـــــ تمام مسائلِ شرعیہ مع دلائلِ شرعیہ مستحضر تھے ـــــ وہ تصنیف کے ساتھ ساتھ، مصنّف کے مقام و مرتبے سے بھی آگاہ تھے ـــــ اُن کو زبان و بیان پر حیرت انگیز قدرت تھی ـــــ عربی، فارسی اور اُردو میں بے تکان لکھتے چلے جاتے ـــــ اُن کی فقہی نگارشات میں بکثرت ادب پارے ملتے ہیں ـــــ انہوں نے تحقیق، تدقیق کا وہ اعلیٰ معیار قائم کیا کہ دورِ جدید میں جس کی نظیر نہیں ملتی ـــــ اُن کی طنزیات میں بھی ابتذال نہیں ـــــ وہ اپنے قاری کو پہچانتے ہیں اور اُس کو مطمئن کر کے چھوڑتے ہیں ـــــ وہ اپنے قاری کو کسی اُلجھن میں مبتلا نہیں کرتے ـــــ مطالب و معانی خود اُن کے ذہن میں صاف ہوتے ہیں، وہ بڑی صفائی سے اپنی باتیں صاف صاف بتاتے چلے جاتے ہیں جو دل میں اترتی چلی جاتی ہیں ـــــ وہ دلائل و شواہد کے اتنے انبار لگا دیتے ہیں کہ قاری کا فکر و خیال پیاسا نہیں رہتا بلکہ ایسا سیر ہو جاتا ہے کہ پھر کبھی پیاس ہی نہیں لگتی ـــــ اُن کی تحقیقات مبالغہ آرائی اور حشو و زوائد سے پاک ہیں ـــــ اُن کے اسلوبِ بیان میں قطعیت ہے ـــــ اُن کو اپنے حافظہ پر پورا بھروسہ ہے ـــــ وہ متن کی صحت کا خاص اہتمام رکھتے ہیں ـــــ معاصر شہادتوں کو چھان پھٹک کر قبول کرتے ہیں ـــــ علوم و فنون کی مصطلحات سے پوری طرح باخبر ہیں۔ انہوں نے علوم و فنون کو تفصیل و تشریح عطا فرمائی اور نظم و ضبط دیا ـــــ وہ دلائل و براہین کو ترتیب و تدریج کے ساتھ بیان کرتے ہیں ـــــ وہ بڑی خوبی سے مضمون پھیلاتے ہیں، پھر سمیٹتے چلے جاتے ہیں اور کمالِ مہارت سے دریا کو کوزے میں بند کر دیتے ہیں ـــــ اُن کے ہاں جامعیت، صحت اور دیانت داری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں ـــــ اُن کی فقہی تنقیدات بھی اعلیٰ درجہ کی تحقیقات ہیں ـــــ وہ جب فیصلہ کر لیتے ہیں تو پیچھے نہیں ہٹتے ـــــ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم امام احمد رضا کی علمیت و فقاہت اور قوتِ فیصلہ پر اظہارِ خیال فرماتے ہوئے کہتے ہیں:-

"ہندوستان کے دورِ آخر میں ان جیسا طبّاع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا ـــــ میں نے اُن کے فتاویٰ سے یہ رائے قائم کی ہے اور اُن کے فتاویٰ اُن کی ذہانت، فطانت اور جودتِ طبع، کمالِ فقاہت اور علومِ دینیہ میں تبحّرِ علمی کے شاہدِ عادل ہیں ـــــ مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے تھے اس پر مضبوطی سے قائم رہتے تھے، یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے تھے۔"[1]

(۳)

فنِ فتویٰ نویسی میں امام احمد رضا کا جواب نہ تھا، اُن کا سلسلۂ حدیث حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی اور حضرت شیخ عبدالحق دہلوی سے منسلک ہے ـــــ انہوں نے فقہ میں سند شیخ عبدالرحمٰن حنفی مکی سے حاصل کی، جن کا سلسلہ حضرت عبداللہ بن مسعود تک پہنچتا ہے ـــــ امام احمد رضا نے ۱۴ر شعبان ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء کو فتویٰ نویسی کا آغاز کیا اور ۱۲۹۳ھ / ۱۸۷۶ء کو فتویٰ نویسی کی مطلق اجازت مل گئی۔ پھر جب ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء میں ان کے والدِ ماجد علامہ مولانا محمد نقی علی خان کا وصال ہوا تو امام احمد رضا مستقل طور پر مسندِ افتاء پر فائز ہو گئے ـــــ مجموعی طور پر ۵۴ سال امام احمد رضا نے فتوے لکھے، اُن کی سُرعتِ تحریر کا عالم یہ تھا کہ مسوّدات کو چار نقل کرنے والے بیک وقت نقل کرتے جاتے، یہ فارغ بھی نہ ہوتے کہ پانچواں صفحہ تیار ہو جاتا ـــــ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امام احمد رضا نے اپنی زندگی میں کتنا کچھ لکھا ہوگا ـــــ امام احمد رضا کے ہاں ساری دُنیا سے استفتاء اس قدر آتے کہ کسی مفتی کے پاس اتنی تعداد میں فتوے آتے نہ سنے ـــــ ایک وقت میں پانچ پانچ سو استفتاء جمع ہو جایا کرتے ـــــ خود امام احمد رضا تحریر فرماتے ہیں:-

"فقیر کے یہاں علاوہ ـــــ دیگر مشاغلِ کثیرہ دینیہ کے کارِ فتویٰ

---

[1] ڈاکٹر عابد احمد علی مرحوم، تحریر محررہ یکم اگست ۱۹۶۸ء (شریکِ مجلسِ اقبال)

اس درجے وافر ہے کہ دس مفتیوں کے کام سے زائد ہے۔ شہر و دیگر بلاد و امصار جملہ اقطار ہندوستان، بنگال و پنجاب و ملیبار، برما و ارکان و چین و غزنی و امریکہ و افریقہ حتیٰ کہ سرکار حرمین محترمین سے استفتاء آتے ہیں اور ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہو جاتے ہیں۔" [1]

امام احمد رضا کے مجموعہ فتاویٰ کی بارہ جلدیں یادگار ہیں۔ بقول مولانا افتخار احمد قادری (رکن المجمع الاسلامی، مبارک پور، اعظم گڑھ، بھارت) فتاویٰ رضویہ کی پانچ جلدیں مبارک پور سے شائع ہو چکی ہیں۔ چھٹی جلد کتابت ہو رہی ہے، ساتویں اور آٹھویں دارالاشاعت، مبارک پور میں محفوظ ہیں، اس کے بعد کی مزید چار جلدیں بریلی میں محفوظ ہیں۔ [2] امام احمد رضا کے مجموعہ فتاویٰ کی فقہی اور دینی اہمیت تو مسلّم ہے۔ لیکن دوسری کئی حیثیات سے بھی اہم ہے ——— تاریخی، سیاسی، علمی، لسانی، ادبی، عمرانیاتی، اقتصادی، معاشرتی، سوانحی وغیرہ وغیرہ ——— فتاویٰ رضویہ اپنے دامن میں بہت سے علوم و فنون کو سمیٹے ہوئے ہے ——— امام احمد رضا کے فتاویٰ عربی، فارسی، اردو میں ہیں اور ہر زبان میں ایسی پیاری تحریر گویا یہ اُن کی مادری زبانیں ہیں ——— بعض فتوے انگریزی زبان میں ترجمہ کئے گئے ہیں۔ کیونکہ مستفتی جس زبان میں سوال کرتا تھا اُس کو اُسی زبان میں جواب بھیجا جاتا تھا ——— انگریزی زبان میں ایک استفتاء ۱۹۰۸ء کو محمد قادر غنی نے رنگون (برما) سے بھیجا تھا، جس کا جواب ۲۸ مئی ۱۹۰۸ء کو ارسال کیا گیا۔ اس کا عکس معارفِ رضا (کراچی، ۱۹۸۲ء) میں شامل ہے ——— امام احمد رضا اس کا لحاظ تو رکھتے ہی تھے کہ جس زبان میں استفتاء آئے اُسی زبان میں جواب لکھا جائے لیکن اس کا بھی اہتمام رکھتے تھے کہ استفتاء منثور آتا تو جواب منثور دیا جاتا اور منظوم استفتاء آتا تو جواب منظوم دیا جاتا ——— فتاویٰ رضویہ میں منظوم فتوے بھی ہیں۔ امام احمد رضا کی فقہی تحقیقات اور فاضلانہ فتوے نے بہت سے علماء کو مفتی بنا دیا۔ مخالف و موافق

[1] احمد رضا خاں: العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ، ج ۴، ص ۱۴۹

[2] مکتوب محررہ ۲۵ اپریل ۱۹۷۹ء از مبارک پور بنام راقم الحروف

سب اُن کے فتووں سے استفادہ کرتے ہیں، بعض اُن کا حوالہ دیتے ہیں اور بعض یہ تکلیف گوارا نہیں کرتے اور امام احمد رضا کی تحقیقات کو اپنے حساب میں لگا لیتے ہیں۔ بہرکیف امام احمد رضا اجر و ثواب سے محروم نہیں رہتے۔

امام احمد رضا کے مجموعۂ فتاویٰ "الفتاویٰ الرضویہ فی العطایا النبویہ" کو قانون کے ماہرین نے قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ چنانچہ ہندوستان کے مشہور قانون داں اور بمبئی ہائی کورٹ کے جج پروفیسر ڈی ایف ملّا نے امام احمد رضا کے فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ عالمگیریہ کو فقہ اسلامی کا شاہکار قرار دیا ہے۔ [1]

اور پروفیسر ڈاکٹر رشید احمد (استاد شعبۂ علومِ اسلامیہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی) لکھتے ہیں:-

"فقہ کے میدان میں آپ کے فتاویٰ فقہ اسلامی کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہیں جو آپ کو مجتہد کے درجے پر فائز کرنے کے لئے کافی ہیں۔" [2]

ہندوستان کا مشہور عالم شہرت یافتہ علمی مجلّہ معارف (اعظم گڑھ) فتاویٰ رضویہ اور امام احمد رضا پر یہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"دینی علوم خصوصاً فقہ و حدیث پر اُن کی نظر وسیع اور گہری تھی۔ مولانا جس دقتِ نظر اور تحقیق کے ساتھ علماء کے استفسارات کے جواب تحریر فرماتے ہیں اس سے اُن کی جامعیت، علمی بصیرت، فقہی جزرسی، استحضار، ذہانت، طبّاعی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے ——— اُن کے عالمانہ اور محققانہ فتاویٰ مخالف و موافق ہر طبقے کے مطالعہ کے لائق ہیں۔" [3]

شیخ ابوالفتاح ابوغدہ (پروفیسر کلیۃ الشریعۃ محمد بن سعود یونیورسٹی۔ ریاض) نے فتاویٰ رضویہ کا صرف ایک عربی فتویٰ مطالعہ کیا تو وہ حیران رہ گئے، خود فرماتے ہیں:-

[1] مکتوب علامہ نور احمد قادری از سفارت خانہ انڈونیشیا، اسلام آباد۔ مورخہ ۷ جنوری ۱۹۸۱ء

[2] سیّد ریاست علی قادری: معارفِ رضا، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۲ء۔ ص ۴۳

[3] معارف (اعظم گڑھ، یوپی، بھارت) شمارہ ستمبر ۱۹۴۹ء ص ۴۳، ۴۴

"عبارت کی روانی اور کتب وسنّت واحوالِ سلف سے دلائل کے انبار دیکھ کر میں حیران ہوگیا اور ششدر رہ گیا اور اس ایک فتوے کے مطالعہ کے بعد میں نے یہ رائے قائم کرلی کہ یہ شخص کوئی عالم اور اپنے وقت کا زبردست فقیہہ ہے۔"[۱] (ترجمہ عربی)

مشہور محقق وقلمکار اور امام احمد رضا کے معاصر، مولانا حبیب احمد مسعود بدایونی نے بڑی دل لگتی بات فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"حضرت مولانا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا علم نافع واُن کی فقاہت پر منتہی تھا ــــ اسی سے انہیں مقبولیت حاصل ہوئی اور اسی سے اُن کا نام زندہ ہے۔"[۲]

یہ فضلاء وہ ہیں، جو دل کی آواز پر لبیک کہتے ہیں ــــ جو نفس کے اشاروں پر نہیں چلتے ــــ جو روزِ روشن میں آنکھیں بند نہیں رکھتے ــــ وہی کہتے ہیں جو اُن کا دل کہتا ہے۔ ــــ عالمِ اسلام کے موافق ومخالف فضلاء ودانشوروں نے جن جن القاب وآداب سے نوازا اور اُن کے علم وفضل پر جو جو اظہارِ خیال کیا اُس کو بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے ــــ اِن حضرات کے تاثرات پر مشتمل پاکستان اور ہندوستان سے اب تک چھ مجموعے شائع ہوچکے ہیں اور مزید شائع ہونے والے ہیں۔

(۴)

امام احمد رضا کے مستفتیوں میں علماء وفضلاء کے علاوہ پاک وہند کی عدالت ہائے عالیہ کے جج بھی شامل ہیں اور کلیات وجامعات کے پروفیسر بھی ــــ جسٹس محمد دین مرحوم (چیف کورٹ بہاول پور) جب ایک مقدمہ کا فیصلہ نہ کرسکے، مفتیوں سے آٹھ فتوے لئے پھر بھی وہ مطمئن نہ ہوسکے تو انہوں نے ہدایت کی کہ پورا

۱؎ محمد یٰسین الاعظمی: امام احمد رضا اربابِ علم ودانش کی نظر میں، مطبوعہ الٰہ آباد، ۱۹۷۷ء، ص ۱۹۴

۲؎ محمد مرید احمد: جہانِ رضا۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء، ص ۱۶۲

مقدمہ متعلقہ فتووں کی نقول کے ساتھ امام احمد رضا کی خدمت میں پیش کیا جائے اور ان سے درخواست کی جائے کہ:-

"ان تمام فتاویٰ کو ملاحظہ فرمادیں اور ان سوالاتِ حل طلب کے متعلق اپنی رائے کامع استناد جواب تحریر فرماکر بہت جلد مرحمت فرمادیں ــــ مقدمہ چونکہ عرصے سے دائر ہے اس لئے نتیجہ کے بھجوانے کے استدعا کی جاتی ہے کہ بہت جلدی عدالت ہذا میں بھجوایا جاوے۔"[۱] (۱۹۱۳ء)

اسی طرح اسلامیہ کالج لاہور کے پروفیسر ریاضی اور پرنسپل مولوی حاکم علی مرحوم، امام احمد رضا سے، سائنسی، علمی اور سیاسی موضوعات پر گفتگو فرماتے اور فتوے لیتے تھے ــــ تحریکِ ترکِ موالات (۱۹۲۱ء) کے زمانے میں انہوں نے امام احمد رضا سے جو فتویٰ لیا (اور جو علامہ اقبال کی نظر سے بھی گزرا) مشہور ومعروف ہے۔[۲] اس فتویٰ نے تحریکِ ترکِ موالات کے حامیوں کی اصلاح کی اور اُن کو (مسلمانوں کو) تباہی سے بچایا۔

امام احمد رضا نے فنِ فتویٰ نویسی میں جن کی تربیت فرمائی وہ بھی اپنے عروج کو پہنچے ــــ ان میں قابلِ ذکر یہ حضرات ہیں:- مفتی اعظم مولانا محمد مصطفےٰ رضا خان، مولانا امجد علی اعظمی، مولانا سید شاہ غلام بہاری، مولانا محمد ظفر الدین بہاری، حکیم سید عزیز غوث اور مولانا نواب مرزا وغیرہ۔

مولانا مصطفےٰ رضا خان علیہ الرحمہ، امام احمد رضا کے چھوٹے صاحبزادے تھے، فنِ فتویٰ نویسی میں اپنی مثال آپ تھے۔ امام احمد رضا نے مولانا امجد علی اعظمی اور آپ کو منصبِ افتاء وقضا پر مامور فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا:-

"ان دونوں کو نہ صرف مفتی بلکہ شرع کی جانب سے ان دونوں کو قاضی مقرر کرتا ہوں کہ ان کے فیصلے کی وہی حیثیت ہوگی جو ایک قاضی اسلام کی ہوتی ہے۔"[۳]

۱؎ احمد رضا خان: فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ بریلی ۱۴۰۲ھ، ج ۱۱، ص ۱۹۶

۲؎ پروفیسر محمد صدیق: پروفیسر مولوی حاکم علی، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء، ص ۱۱۴، ۱۲۳

۳؎ امجد علی اعظمی: فتاویٰ امجدیہ، مطبوعہ الٰہ آباد ۱۹۷۹ء

علامہ مصطفےٰ رضا خان کا مجموعہ فتاویٰ، فتاویٰ مصطفویہ کے نام سے ۱۹۸۴ء میں ادارہ تصنیفاتِ امام رضا (کراچی) نے شائع کر دیا ہے۔ اس سے قبل ہندوستان سے بھی یہ شائع ہو چکا ہے۔

مولانا امجد علی اعظمی، امام احمد رضا کو دنیا بھر سے آنے والے استفتاء سنایا کرتے تھے اور امام احمد رضا جواب میں جو ارشاد فرماتے وہ املاء کرتے جاتے، طبیعت اخّاذ تھی۔ طرز سے واقف ہو گئے اور فتوے لکھتے رہے، فقہ میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔ بہارِ شریعت ان کی مشہور تصنیف ہے۔ اِن کا مجموعہ فتاویٰ، فتاویٰ امجدیہ ہندوستان سے شائع ہو چکا ہے ـــــ مولانا ظفر الدین بہاری بھی فقہ و حدیث میں بہت بلند مقام کے مالک تھے، فن حدیث میں اُن کی تالیف صحیح البہاری قابلِ ذکر ہے۔

امام احمد رضا کے پرپوتے علامہ محمد اختر رضا خان (ابن علامہ محمد ابراہیم رضا خان ابن علامہ محمد حامد رضا خان ابن امام احمد رضا خان) آجکل بریلی میں منصبِ افتاء پر فائز ہیں۔ وہ جامعہ ازہر (قاہرہ۔ مصر) کے فارغ ہیں، بے تکان عربی لکھتے ہیں اور علمِ فقہ و حدیث میں مہارت رکھتے ہیں جس کا اندازہ ان کے مطبوعہ فتووں سے ہوتا ہے۔

۵

فتاویٰ کے علاوہ امام احمد رضا کی دیگر کتب و تصانیف خاص اہمیت رکھتی ہیں، جن کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہے۔ اِن کتب و تصانیف میں شروح و حواشی اہلِ علم کی توجہ کے مستحق ہیں۔ امام احمد رضا کے ایک جلیل القدر معاصر مولانا ہدایت رسول لکھنوی (م ۱۹۱۵ء) امام احمد رضا کے حواشی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"اعلیٰ حضرت کے حواشی خود اُن کے افاضات و افادات ہوتے ہیں"[۱]

خانقاہ مجددیہ مظہریہ دہلی کے سجادہ نشین علامہ ابوالحسن زید فاروقی الازہری دسمبر ۱۹۸۳ء میں پاکستان تشریف لائے۔ کراچی میں ایک ملاقات میں اثنائے

[۱] ظفر الدین بہاری، حیات اعلیٰ حضرت، مطبوعہ کراچی، ج ۱، ص ۱۳۸

گفتگو راقم سے فرمایا کہ وہ حیدر آباد دکن تشریف لے گئے، وہاں امام احمد رضا کے ردّ المحتار پر عربی حاشیہ جدّ الممتار کے چند اوراق[۱] دیکھے تو حیران رہ گیا۔ ـــــ جہاں صاحبِ ردّ المحتار ایک دو کتابوں کا ذکر کرتے ہیں وہاں مولانا احمد رضا خان آٹھ دس کتابوں کے حوالے دے ڈالتے ہیں۔

شاہ اولاد رسول مارہروی (م ۱۳۷۲ء) اسی حاشیے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اعلیٰ حضرت کو میں ابن عابدین شامی پر فوقیت دیتا ہوں کیونکہ جو جامعیت اعلیٰ حضرت کے ہاں ہے وہ ابنِ عابدین شامی کے ہاں نہیں"[۲]

سراج الفقہا مولانا سراج احمد ـــــ (مفتی سراج العلوم، خانپور) امام احمد رضا کے معاصرین میں تھے، اُن کے اساتذہ نے اُن کو باور کرایا تھا کہ امام احمد رضا کو علم و تحقیق سے کوئی علاقہ نہیں، اُن کی کتابیں پڑھنا بے سود ہے لیکن جب سراج الفقہا منصب افتاء پر فائز ہوئے اور میراث کے ایک مسئلے میں اُن کو اُلجھن پیش آئی تو مجبوراً انہوں نے امام احمد رضا سے رجوع کیا، امام احمد رضا نے ایسا تشفی بخش جواب عنایت فرمایا کہ سراج الفقہا حیران رہ گئے اور امام احمد رضا کی علمی عظمت کا نقش اُن کے دل پر مرتسم ہو گیا ـــــ انہیں ایام میں ان کی ملاقات ایک غیر مقلد عالم مولانا نظام الدین (احمد پور) سے ہو گئی جو اُن کے مخلصین میں تھے۔ سراج الفقہا نے امام احمد رضا کا رسالہ الفضل الموہبی اُن کو دکھایا، تو وہ حیران رہ گئے اور عالمِ حیرت میں فرمایا۔

"یہ سب منازلِ فہمِ حدیث مولانا کو حاصل تھے؟ ـــــ افسوس کہ میں اُن کے زمانے میں رہ کر بے خبر و بے فیض رہا، ـــــ علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر مولانا کے شاگرد ہیں ـــــ یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتے ہیں۔"[۳]

[۱] جدّ الممتار (جلد اوّل) ۱۹۸۲ء میں حیدرآباد دکن سے چھپ کر المجمع الاسلامی، مبارکپور سے شائع ہو گئی ہے۔ اس میں مولانا افتخار احمد قادری (رکن المجمع الاسلامی) نے امام احمد رضا پر ایک وقیع مقالہ قلم بند کیا ہے (ص ۴۱-۲۹۰)

[۲] بروایت علامہ حسن میاں مارہروی سجادہ نشین خانقاہ مارہرہ شریف، مسعود

[۳] المیزان (بمبئی) شمارہ مارچ ۱۹۷۶ء - ص ۱۸۵-۱۸۶

۶

امام احمد رضا کا تحقیقی معیار بہت بلند تھا، اپنی تصنیف حجب العوار (مطبوعہ لاہور) انہوں نے ماخذ اور اس کے متن پر علمی بحث کی ہے[۱] اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کیسے بلند پایۂ محقق تھے۔

برکلے یونیورسٹی (امریکہ) کے شعبۂ تاریخ کی فاضلہ ڈاکٹر بار برا۔ڈی۔مٹکاف اپنی کتاب میں لکھتی ہیں :۔

"احمد رضا کی نگارشات کا انداز مدلل تھا جس میں بے شمار حوالوں کے ڈھیر ہوتے تھے جس سے اُن کی علمی اور عقلی فضیلت کا اندازہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اُن کے مخالفین کی کوتاہیوں کا علم بھی ہوتا ہے"[۲]
(انگریزی ترجمہ)

ڈاکٹر محی الدین الوائی جو پہلے جامعہ ازہر (قاہرہ مصر) میں تھے اور اب مدینہ یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں اور مسلکاً اہل حدیث ہیں لیکن حق پسند اور حق گو ہیں۔ وہ امام احمد رضا کی خدمات کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"جن علمائے ہند نے مروجہ علوم عربیّہ و دینیّہ کی خدمت میں اعلیٰ قسم کا حصّہ لیا ہے ان میں مولانا احمد رضا خان صاحب کا نام سر فہرست نظر آتا ہے ــــ علومِ عربیہ اسلامیہ کو آراستہ کرنے میں آپ کا بہترین ریکارڈ ہے"[۳]

امام احمد رضا کی فقہی اور دینی خدمات پر کام ہو رہا ہے۔ چنانچہ پروفیسر ڈاکٹر محمد حنیف اختر فاطمی (صدر شعبہ سائنس، لندن یونیورسٹی، انگلستان) نے امام احمد رضا کی تین

[۱] راقم نے اپنے مقالہ حیات امام اہل سنت (مطبوعہ لاہور ۱۹۸۲ء ص ۳۸-۴۱) میں اس بحث کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ حیات امام اہل سنت کا ایک ایڈیشن کراچی سے شائع ہوا ہے اور ایک ایڈیشن مبارک پور (بھارت) سے۔ مسعود

[۲] باربرا مٹکاف : مسلم ریلیجین لیڈرشپ اِن انڈیا، برکلے، ۱۹۷۴ء

[۳] صوت الشرق (قاہرہ) شمارہ فروری ۱۹۷۰ء، ص ۱۶

فقہی اور دینی تصانیف کو سامنے رکھ کر انگریزی میں تین مقالات تحریر فرماتے ہیں :۔

(۱) اسلام کا تصوّرِ علم
(۲) اسلام کا تصوّرِ جہل
(۳) اسلام کا تصوّرِ دولت

پہلا مقالہ لاہور سے چھپ کر مجلسِ رضا، مانچسٹر (انگلستان) کی جانب سے ۱۹۸۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔ پروفیسر محمد حنیف اختر صاحب نے کئی سال ہوئے امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن کو انگریزی میں منتقل کیا تھا، جو لاہور سے چھپ چکا ہے۔

کنز الایمان کو پروفیسر شاہ فرید الحق (کراچی) اور آل رسول حسنین صاحب (مارہرہ شریف) انگریزی میں منتقل کر رہے ہیں۔ اوّل الذکر کا ترجمہ مکتبہ رضویہ نے کراچی سے شائع کر دیا ہے۔

پروفیسر جی ڈی قریشی (نیو کاسل یونیورسٹی، انگلستان) نے امام احمد رضا کی قابلِ مطالعہ تصنیف تمہیدِ ایمان کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے جو عنقریب مجلسِ رضا مانچسٹر کی طرف سے شائع ہو جائے گا[۱] پروفیسر ڈاکٹر جے ایم۔ ایس بلیان (شعبۂ اسلامیات، لیڈن یونیورسٹی، ہالینڈ) بھی مجموعہ ہائے فتاوی کے تقابلی مطالعہ کے سلسلے میں امام احمد رضا کا فتاویٰ رضویہ مطالعہ کر رہے ہیں اور نہایت ہی متاثر ہیں۔

امام احمد رضا کے فکر کا ہر گوشہ تحقیق و تدقیق کا متقضی اور ایک الگ مقالے کا محتاج ہے ـــ راقم کو امام احمد رضا پر تحقیق کرتے چودہ ۱۴ سال گزر چکے ہیں مگر ایسا محسوس ہوتا ہے ابھی ساحلِ سمندر تک بھی رسائی نہ ہو سکی، شناوری اور غواصی تو بہت دور کی بات ہے ـــ امام احمد رضا کی شخصیت بزبانِ حال یہ کہتی معلوم ہوتی ہے۔

دلِ ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر　　ہم اُس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا!

ہندوستان کے مشہور محقّق و فاضل علاّمہ شبیر احمد غوری (جن کے علمی مقالات سالہا سال سے علمی مجلاّت کی زینت بن رہے ہیں) فلسفۂ جدید و قدیمہ پر امام احمد رضا کی تصنیف الکلمۃ الملہمہ پر اپنے مقالے "عہدِ حاضر کا تہافۃ الفلاسفہ"[۲]

[۱] تمہید ایمان کا انگریزی ترجمہ کراچی سے ستمبر ۱۹۸۸ء میں شائع ہو گیا ہے۔

[۲] معارف رضا مطبوعہ کراچی

میں تبصرہ کرتے ہوئے امام احمد رضا کو امام غزالی کا ہم پلّہ قرار دیتے ہیں اور یہ دل لگتی بات فرماتے ہیں:-

"مجدّد مائۃ حاضرہ جیسے نادرۂ روزگار کی عبقریت کی کماحقہ، تصویر کشی کے لئے جن جامع منقول و معقول فضلاء کی کاوش و تحقیق درکار ہے، وہ نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں۔"[1]

بلاشبہ امام احمد رضا کا ایوانِ علم و دانش ایک ایسا حیرت کدہ ہے، جہاں زمانے کے بڑے بڑے دانشور گم ہوتے نظر آتے ہیں۔

آخر میں ہم اس مقالے کو لائڈن یونیورسٹی، ہالینڈ کے شعبۂ علوم اسلامیہ کے فاضل و محقق پروفیسر ڈاکٹر جے۔ ایم۔ ایس۔ بلیان کے تاثرات پر ختم کرتے ہیں جس کا اظہار انہوں نے بعض خطوط میں کیا ہے۔

۱۔ احمد رضا خاں کی تصانیف کو میں جتنا پڑھتا جاتا ہوں اُتنا ہی اُن کی وسعتِ مطالعہ سے متاثر ہوتا جاتا ہوں۔ وہ اپنے موضوعات سے واقف ہیں اور ایک اچھے ماہر تعلیم کی طرح اپنے عوام کو بھی جانتے ہیں بالخصوص وہ اُن کی ضروریات اور احتیاجات سے بھی اچھی طرح باخبر ہیں اور اس واضح شرط کے ساتھ اُن کو بہت سے رسم و رواج کی اجازت دیتے ہیں کہ اُن کی نیّت صالح ہونی چاہیئے۔

(ترجمہ مکتوب محررہ ۹ر جنوری ۱۹۸۷ء از لائڈن، ہالینڈ)

۲۔ جہاں تک احمد رضا خاں کا تعلق ہے میں فقہ اسلامی میں اُن کی وسعتِ علم سے بہت ہی متاثر ہوا ہوں ــــ اُن کے افکار و خیالات بالعموم بہت ہی متوازن ہوتے ہیں حتیٰ کہ ایک غیر بریلوی کے لئے بھی قابلِ فہم ہوتے ہیں۔

(ترجمہ مکتوب محررہ ۱۱ر جون ۱۹۸۷ء از لائڈن، ہالینڈ)

فقیہہ اسلام

از

ڈاکٹر حسن رضا خاں

یہ مقالہ ۱۹۷۹ء میں پٹنہ یونیورسٹی (بھارت) میں ڈاکٹریٹ کے لئے پیش کیا گیا جس پر ڈاکٹر صاحب کو پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری عطا کی گئی ــــ یہ مقالہ ۱۹۸۱ء میں اسلامک پبلی کیشن سینٹر، پٹنہ نے ہندوستان سے شائع کیا ــــ ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب کے ہر باب میں تحقیق کا حق ادا کیا ہے ــــ پہلے، دوسرے اور تیسرے ابواب محنت سے لکھے گئے ہیں اور اس میں بہت مفید معلومات جمع کی ہیں ــــ چوتھا باب امام احمد رضا کے حالات سے شروع ہوتا ہے، اس میں آپ کے حالات و افکار کا جائزہ لیا گیا ہے ــــ آخر میں ان سندات کی نقول بھی شامل کی ہیں جو امام احمد رضا کو حدیث و فقہ میں عطا کی گئیں ــــ پانچویں باب میں امام احمد رضا کے احوال و آثار کا ذکر کیا گیا ہے، اس میں امام احمد رضا کے منظوم

[1] معارفِ رضا، مطبوعہ کراچی، ص ۲۳۴

منشور فتوے نیز عربی، فارسی اور اردو فتووں کے نمونے بھی پیش کئے گئے ہیں اور انگریزی میں ترجمہ شدہ ایک فتویٰ بھی نقل کیا ہے اور آخر میں پچاس علوم و فنون پر امام احمد رضا کی ۴۱۲ تصانیف کی تفصیل فہرست دی ہے ـــــ چھٹے باب ... میں معاصرین، تلامذہ اور خلفاء و متبعین کا ذکر کیا گیا ہے، یہ باب بھی محنت سے مرتب کیا گیا ہے ـــــ ساتویں باب میں فقہ اسلامی میں امام احمد رضا کی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے اور فتویٰ نویسی میں اُن کی مہارت کا ذکر کیا ہے اور ان کی نگارشات کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جس سے انداز ہوتا ہے کہ وہ "محدثِ وقت" اور "فقیہہ العصر" تھے، اس باب میں فقہ سے متعلق امام احمد رضا کی مزید ۲۴۰ کتب و حواشی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح مجموعی طور پر امام احمد رضا کی ۶۶۶ کتب و حواشی کی تفصیلات اس تحقیقی مقالے میں آگئی ہیں، یہ مقالہ قابلِ مطالعہ اور لائق تحسین و آفرین ہے، فاضل مقالہ نگار اور وہ علماء دانشور جنہوں نے اُن سے تعاون کیا سب قابلِ مبارکباد اور ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

ادارۂ مسعودیہ کراچی

Idara-e-Mas'udia, Karachi

